



اردو ادب کے سب رنگ

انجمن کلیمہ

خون آشام

عزم و موصد سے بھرپور اس شخص کی بہانے جو ایک مہولہ تصور حال سے دوچار تھا۔

کھانے کی چاٹ پڑ گئی تھی وہ بھی اب بے نقاب ہو چکا ہے لہذا آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ سب کی سب داستانیں سچی ہیں۔ لیکن ان سے میرا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو ایسے غیر معمولی قسم کے واقعات سن کر حقیقت بیان کرنے کے جنوں میں مبتلا ایک فہمک ہوں۔

میں کئی واقعات پر تحقیقات کر چکا ہوں اور کئی غیر معمولی واقعات کا سراغ لگا کر حقائق لے نقاب کر چکا ہوں۔ اس کے باوجود مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ کبھی زندگی میں ذاتی طور پر کسی خون آشام کے متھے چوڑھ جاؤں گا۔۔۔ لیکن قسمت نے مجھے ایسے دن بھی دکھانے نختے۔

میں اپنی زندگی کے انتہائی دہشت ناک حالات سے گزر رہا ہوں اور اس سلسلے میں میرے جسم پر آنے والے نشانات آج بھی موجود ہیں جنہیں دیکھ کر میں آج بھی چہر چھری لے کر رہ جاتا ہوں۔ مجھے خود بھی یہ سب کچھ خواب و خیال ہی لگتا ہے۔ لیکن میرے جسم پر جو نشانات ہیں، وہ حقیقی ہیں اور انہیں دیکھ کر کوئی بھی اس بات کو جھٹلا نہیں سکتا کہ میں غیر معمولی حالات سے گزر چکا ہوں۔

میں دو سو پچیس پاؤنڈ وزنی، چھ فٹ تین انچ قد والے جسم کا مالک ہوں اور مجھے رنگارنگ تیلیوں سے عشق ہے۔ یہ میرا پیشہ بھی ہے۔ میں دنیا کی نلیب ترین تیلیوں کا شکار کر کے ان سے بے پناہ دولت کما چکا ہوں۔ ممکن ہے آپ کو میرے پیشے کے بارے میں پڑھ کر ہنسی آجائے۔ لیکن یقین کیجیے دنیا میں ایسے ماب

بھیڑیوں اور غول بیابانی کی حکایات اتنی ہی پرانی ہیں جتنی کہ نسل انسانی۔۔۔ کائنات میں طلوعِ اوقات سے یہ کہانیاں بڑے استقلال سے بیان کی گئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کہانی نویسوں اور داستان گو قسم کے لوگوں نے ان میں حاشیہ آرائی کر کے انہیں حقیقت سے دور کر کے افسانے کا رنگ بھر دیا ہو۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ سب کی سب داستانیں سچی ہیں۔۔۔ پھر فرارڈ نے ایک نظریہ پیش کیا جس سے ہمیں تاریک راستوں سے آگاہی ہوئی اور معلوم ہوا کہ انسانی ذہن کس حد تک بھٹک جاتا ہے۔ جو لوگ ان باتوں کو محض خیالی قصے سمجھ کر ہنسا کرتے تھے۔ اس کے بعد سے انہوں نے ان پر ہنسا چھوڑ دیا۔

میں تقریباً پوری دنیا کی سیاحت کر چکا ہوں۔ غیر معمولی اشیاء کی تلاش اور مافوق البشر حالات کی ٹوہ نگا نامیرا مشغلہ ہے۔ آپ نے ڈوسل ڈوروف کے خون آشام پیٹر کوڈن کے بارے میں ضرور سنا ہوگا جو انسانی خون سے اپنی غیر فطری پیاس بجھانے کے لیے قتل کیا کرتا تھا برلن کے اس قصاب کی کہانی بھی اب منظر عام پر آچکی ہے جو جواں سال خواتین کو قتل کر کے مشین میں ان کے جسموں کا قیمہ بنایا کرتا تھا۔

مونچن کا وہ عفریت ایک پروفیسر تھا جس نے خون پینے کے لیے چار سو جواں کرموت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور وہ فرانسیسی فوجی افسر جو تازہ قہریں کھودتے ہوئے گرفتار ہوا تھا اور اسے جسے انسانی گوشت

ہمدہ برا ہو گیا تھا۔

میں وکٹوریہ ہاسپٹل جا پہنچا۔

ڈاکٹر ٹوڈ کو تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری نہ ہوئی۔ وہ ایک مشہور آدمی تھا۔

رسمی باتوں کے بعد میں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو ڈاکٹر ٹوڈ کا چہرہ دبران ہو گیا۔ اس نے آنکھیں سکیڑ لیں اور کئی منٹوں تک میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مجھ سے کئی سوالات کئے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے بارے میں یہ جاننا چاہتا ہے کہ مجھے واقعی اس معاملے میں تحقیق کرنے سے دل چسپی ہے یا میں محض بختس رنچ کرتے کے لیے اس کے کان کھانے کے لیے پہنچ گیا ہوں۔

میں نے بڑی سنجیدگی سے اس کے ہر سوال کا جواب دیا اور بالآخر اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں نہ صرف جزیرہ ہلما ہا لاجلے کا اہل ہوں بلکہ وہاں سے وہ معلومات حاصل کر کے واپس بھی آ سکتا ہوں جن کی اُسے ضرورت تھی۔ جب وہ مطمئن ہو گیا تو مزید بات چیت کے بعد ہمارے درمیان باقاعدہ یہ سودے بازی ہو گئی کہ وہ اپنے مخصوص مریض سے مجھے ملنے کی اجازت دے دے گا۔ اور اگر میں اس مریض سے مل کر خون آنتام انسانوں کے سلسلے میں پُر یقین ہو گیا تو میں جزیرہ ہلما ہا جا کر ذاتی طور پر تحقیقات کروں گا اور پھر ذاتی طور پر ڈاکٹر ٹوڈ کو رپورٹ پیش کروں گا اور اگر میں ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو پھر ہم دونوں ہی یہ بھول جائیں گے کہ زندگی میں ہماری کبھی ملاقات بھی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر ٹوڈ کے اس مریض کا نام کرور تھا۔ وہ بوینیو کا مقامی تھا اور اس کی زندگی بحری سفر میں گزری تھی۔ وہ ایک ملاح تھا۔ کچھ عرصہ قبل وہ ایک تجارتی جہاز میں دجائی لو لو گیا تو ساحل پر اتر کر ایک روز جزیرے کی سیر کروانہ ہو گیا۔ وہ شام تک واپس نہ آیا تو اس کے ساتھیوں کو بیدارشویش ہوئی۔ انھوں نے رات بھر اس کا انتظار کیا لیکن نہ وہ آیا اور نہ اس کی کوئی خبر ملی۔ مجبوراً تجارتی جہاز کو اپنے سفر پر روانہ ہو جانا پڑا۔ کچھ عرصے بعد وہ واپس وہاں آئے تو انھیں کرور ساحل پر موجود ملا لیکن اس کی حالت پا گلوں جیسی تھی اور وہ خوف و دہشت کا جیتا جاگتا نمونہ لگتا تھا۔

میں کرور کے پاس پہنچا تو وہ اسپتال کے بیڈ پر بیٹھا سامنے کی دیوار کو گھور رہا تھا۔ اس کے سیکڑے ہوئے چہرے پر ذہنی اذیت منجھتی تھی اور اس کے اعضا ہار ہار کسی بے نام خوف سے کانپ کانپ جاتے تھے۔ اس کے پورے جسم پر جا بجا زخموں کے نشانات تھے جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کسی نے اسے بے پناہ اذیت دی تھی۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے، وہ ٹھٹکا ہوا کسی ایسے وحشی قبیلے میں جا نکلا ہو، جس کے سنگدل لوگوں نے اسے اذیتیں دے دے کر اس حال کو پہنچا دیا ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ تمدن و تمدن سے

ذوق حضرات موجود ہیں جو کسی غیر معمولی حسین تتلی کے دو ہزار ڈالر تک ادھر دیتے ہیں۔ یہ پیشہ میرے لیے یوں بھی موزوں ہے کہ اس طرح مجھے دنیا کے مختلف حصوں میں گھومنے کا موقع مل جاتا ہے اور اسی دوران غیر معمولی حالات کی تحقیق کے جنوں کی بھی تسکین ہو جاتی ہے۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اپنے پیشے اور شوق کی وجہ سے مجبور ہو کر میں نے پوری دنیا کے نقشے کو سفر کر کے کیسے تسخیر کیا ہو گا۔ میں تو دنیا کے ایسے حصوں کا بھی سفر کر چکا ہوں جہاں انسانی قدم مجھ سے پہلے کبھی نہیں پہنچے۔ وہ مقامات آج بھی گمنام ہیں لیکن تیلیوں کی تلاش مجھے وہاں تک بھی لے گئی تھی۔ میں ایسے ویرانوں میں بڑی خوشی سے قیام کرتا ہوں جہاں دُور دُور انسانوں کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ البتہ وہاں تیلیاں ضرور ہوتی ہیں لیکن میں اسی وقت قیام کرتا ہوں جب چلتے چلتے میرے پاؤں تنک جاتے ہیں۔

فروری، ۱۹۰۵ء میں میرا قیام کہلا پور میں تھا کہ میں نے پہلی بار ملایا فیلڈ ریشن کے لیے کام کرنے کے دوران ہلما ہا کے جزیرے میں خون آنتام انسانی بھڑیٹے کے سلسلے میں افواہ سنی۔ میرا فطری تجسس جاگ اٹھا اور میں اس سلسلے میں تحقیقات کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ سنگاپور میں تو ان خون آنتام بھڑیٹوں کی داستانیں زبان زدِ عام تھیں لیکن میں جیسے جیسے تحقیقات کرنے لگا، معاملہ روز بروز مبہم ہوتا چلا گیا۔ میں نے بے شمار لوگوں سے سوالات کیے لیکن کوئی بھی مجھے تسکین بخش جواب نہ دے سکا۔ میں محض افواہوں پر کان دھر کر سفر کرنے کا باہمی نہیں سمجھتا۔ مجھے کسی ٹھوس ثبوت کی ضرورت تھی۔ میں ہوٹلوں، شراب خانوں، کلبوں اور بازاروں میں گھومتا رہا اور لوگوں سے باز پرس کرتا رہا۔ ہر کوئی مجھے یقین دلاتا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے، درست ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی مجھے کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہ کر سکا۔ مجھے ان کی باتیں نشے میں ہانکی ہوئی بڑے محسوس ہونے لگیں اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ بھی کسی شرابی کی اڑائی ہوئی گپ ہے۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں ان باتوں کو محض افواہ قرار دے کر اپنے ذہن سے جھٹک دیتا، اچانک میری ملاقات ایک نیم اندھے آرٹ ڈیلر سے ہو گئی جو دنیا بھر میں گھوم چکا تھا اور جس کے ہر جگہ ٹھوس رابطے موجود تھے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس سلسلے میں وکٹوریہ ہاسپٹل سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہوں۔

”وہاں ایک ایسا آدمی موجود ہے جو میرے خیال میں تمہارے لیے بے حد مدد چسپی کا باعث ثابت ہو سکتا ہے، اس نے سرگوشی کے لہجے میں بتایا ہے وہاں جا کر ڈاکٹر ٹوڈ کے بارے میں معلوم کر لینا۔ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اس معاملے میں ہاتھ ڈال چکا ہے۔“

اس کے بعد میں نے اس آرٹ ڈیلر سے کئی سوال کئے۔ لیکن وہ یوں خاموش ہو گیا جیسے بولنا ہی نہ جانتا ہو۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے ایک اشارہ دے دیا مینا اور اس کے بعد ہر قسم کی ذوق واری سے

کسی بھی مذہب یا تہذیب کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہاں کے لوگ وحشی ہیں اور وہ کسی اور معاشرے کی قدروں کو قبول کرنے پر کسی قیمت پر بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کو اجنبیوں سے اسی قدر نفرت تھی کہ وہ انھیں دیکھتے ہی ہلاک کر دیتے تھے۔ اپنے جنوں کی وجہ سے میں نے بھی اپنی زندگی کی پمٹا نہیں کی تھی۔ اگر میں زندگی کی پروا کرنے والا ہوتا تو ایسا پیشہ ہی کیوں اختیار کرتا ہوں تو جان بچھیلی پر لیے پھرتا تھا اور یہی میرے پیشے کا تقاضا تھا اور اسی وجہ سے میں اس پیشے میں کامیاب بھی تھا۔

اس سے پہلے برما، شمالی امریکہ اور فلپائن کے بعض علاقوں میں مجھے وحشی قبائل سے سال بھر چکا تھا۔ لیکن میری کھوپڑی ابھی تک میرے کندھوں کے درمیان موجود تھی۔ مجھے یہ بھی خوف نہیں تھا کہ جاننا کہ کوئی خون آشام بھیڑ یا کسی جھاڑی سے نکل کر میرے سامنے آجائے گا اور اپنے نوکیلے دانت میری ٹانگ میں گھاڑ دے گا... اور پھر میں بھی خون آشام بن جاؤں گا۔ میرا عقیدہ ہے کہ انسان بھی خون آشام نہیں بن سکتا۔

کبھی کبھی مجھے ایسے جنونی قسم کے انسانوں سے ضرور خوف آتا تھا جو بزم خود خون آشام بھیڑیے ہوں۔ ایسے لوگ پولین قسم کے خطرناک لوگوں سے زیادہ ظالم ہوتے ہیں اور ان سے کسی بھی قسم کی رحم کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ میرا تجربہ تھا کہ پاگل اور جنونی قسم کے لوگ اذیت پہنچانے کے سلسلے میں غیر معمولی ذہین اور دلیر ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے نفسیاتی قسم کے قاتلوں کے واقعات سنے ہیں تو آپ کو میری بات کی پکائی پر یقیناً اعتبار آجائے گا۔ وہ بظاہر بے ضرر اور معصوم نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت اس معصومیت کے پردے میں درندگی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس درندگی سے البتہ میں ضرور ڈرتا تھا کیونکہ یہ کب کبھل کر سامنے آئے گی۔ اس سلسلے میں کوئی بھی قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

میں گھنے جنگل میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا اس دوران میں میری نظریں مسلسل اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں پوری طرح چوکس تھا، خاص طور سے درختوں کی طرف سے میں بچہ محتاط تھا۔ جنگل میں درخت ہی سب سے زیادہ دھوکہ دیتے ہیں اور یہی سب سے زیادہ خطرناک بھی ہوتے ہیں کیونکہ کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کسی درخت کے پیچھے کیا پولو شیدہ ہے مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں تھی کہ بے خبری میں مارا جاؤں۔ میں تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مرنے والوں میں سے ہوں۔

گھنے جنگل میں جیسے جیسے میرے قدم شمال کی طرف اٹھ رہے تھے درختوں میں کمی واقع ہوتی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں میدان کی نظر آنے لگے تھے اور ان میدانی جگہوں پر ایسی کھیتیاں دکھائی دیتی تھیں جہاں سے پتا چلتا تھا کہ آس پاس کہیں نہ کہیں کوئی انسانی بستی ضرور ہے۔

اور رہنے والے ایسے وحشی قبائلی اجنبیوں سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کروکڑان اذیتوں کو برداشت نہیں کر سکا ہوگا اور ذہنی توازن کو پیشا ہوگا۔ زخموں کے نشانات اور اس کی استرجالت سے لوگوں کے غور و خیال قائم کر لیا ہوگا کہ وہ خون آشام انسانوں کے ہتھ چڑھ گیا تھا جنھوں نے اس کا خون پینے کی کوشش کی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ غالباً وہ اپنے تصور سے حاضی کے وہ خوفناک مناظر دیکھ رہا تھا جن سے گزرنے پر وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ وہ اپنے آپ میں اس حد تک گم تھا کہ کوئی اس کے قریب بیٹھا جتنی چاہے باتیں کرتا رہے۔ وہ آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ ایک طرح سے اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ اس سے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔

”کروکر... ڈاکٹر ڈوڈ نے مجھ سے کہا ہے اسے مخاطب کیا۔“

”ہمارا کانام سنتے ہی کروکر کے حلق سے ایک وحشت بھری چیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر بستر سے اتر گیا۔ چند لمحوں تک وہ پیٹی پیٹی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا... پھر جلدی سے پلنگ کے نیچے گھس گیا۔ اس دوران میں اس کے حلق سے مسلسل ڈری ڈری سی آوازیں نکلتی رہی تھیں۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ وہ پلنگ کے نیچے دیوار سے یوں الجھا ہوا تھا جیسے اس میں سما جانا چاہتا ہو۔ اس کی زبان سے بار بار ایسے الفاظ ادا ہو رہے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بعض ایسے انسانوں سے وفایت زدہ ہے جو اس کا پیچھا کر رہے ہیں اور اسے بوٹی بوٹی کر کے کھا جانا چاہتے ہیں۔“

اب اس معاملے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ ہمارا میں اس کے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے۔ وہ سچ ہے۔

تین ہفتے بعد میں اس ساحل پر کھڑا تھا، جہاں سے کروکر ٹھلٹا ہوا ہمارا جزیرے کی طرف نکل گیا تھا۔ میں جس جہاز سے اتر تھا، اس میں موجود ملائحوں نے مجھے گھنے جنگل میں جانے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن میں آتش شوق میں سرے پاؤں تک جھلس رہا تھا میرے قدم رک نہیں سکتے تھے۔

میں ساحل سے دور نکل آیا۔ جزیرہ ہمارا چھوٹی بڑی پہاڑیوں، تھارلیوں اور گھنے جنگلات کا ایک ناقابل عبور سلسلے پر مشتمل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسی کو اس طرف جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

نیروگنی اور فلپائن کے درمیان واقع علاقے میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں مجھے معمولی شہد تھی۔ اس علاقے کی بیشتر آبادی مسلمانوں کی ہے لیکن میں جس مقام پر پہنچ چکا تھا یہاں دنیا کے

وہ ایک طویل القامت عورت تھی۔ اس کا سراپا متناسب تھا اور اس کی جلد سنہری تھی۔ میں نے جھاڑی سے نکل کر اس کے سامنے چلنے کی جرأت نہیں کی بلکہ یہ کوشش کی کہ رفتہ رفتہ اسے یہ احساس ہو جائے کہ قریب ہی چھپا ہوا کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے۔ مجھے یہ انتظار تھا کہ میری موجودگی کے احساس پر وہ کس ردِ عمل کا اظہار کرتی ہے۔

میں سانس روکے اسے دیکھتا رہا۔

کبھی کبھی میں جھاڑی کی شاخ کو حرکت دیتا اور اپنی موجودگی کا مبہم سا اشارہ کرتا۔۔۔ لیکن وہ ابھی تک میری جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ تاہم وہ ایک عورت تھی اور دنیا کی کوئی عورت زیادہ دیر تک اپنی ذات پر جمی ہوئی نگاہوں سے غافل نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنی وجدانی قوت سے جلد ہی یہ محسوس کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ اس پاس کوئی موجود ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔

وہ بہت آہستہ آہستہ گھوم گئی۔

اس کی نظریں گردن کی طرف ہوئی اس جھاڑی پر رک گئیں۔ جس میں میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ دیر تک اپنی غیر معمولی سپاہ، پُرکشش اور ساحر آنکھوں سے جھاڑی کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ غالباً وہ جھاڑی میں میری جھلک دیکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود نہ تو ابھی تک اس نے اپنے حلق سے کوئی آواز نکالی تھی اور نہ ہی نظریں ہٹائی تھیں۔ میں نے آہستہ آہستہ شاخیں سامنے سے ہٹا دیں۔ اب وہ مجھے صاف دیکھ سکتی تھی۔

اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

اس کے مقبسم ہونٹوں کے گوشے پھڑکنے لگے۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنے والی تھی۔۔۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کہا اور اچانک ہی پلٹ گئی۔

وہ پانی میں چلتی ہوئی تالاب کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں شاخیں ہٹا کر جھاڑی سے سامنے نکل آیا۔ کناروں پر پانی کم گہرا تھا۔ جیسے جیسے وہ نسبتاً کم گہرے پانی کی طرف بڑھ رہی تھی میری رگوں میں خون کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

پانی سے نکل کر اس نے اپنے گیلے بالوں کا جوڑا بنا کر انھیں میٹھا اور شیریں کھال میں اپنا آپ لپیٹ لیا۔ وہ اب بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں خوف یا تردد کا شاہدہ تک نہیں تھا اور نہ

ہی اس کے دیکھنے کے انداز میں تجسس کی جھلک تھی۔ یوں محسوس ہوتا جیسے میری ہمتی اس کے لئے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔ میں بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اب تک مجھے اس کے چہرے پر کسی جذبے کی کوئی جھلک محسوس نہیں ہوئی تھی۔ جذبات اور تاثرات سے عاری چہرے اور سپاٹ آنکھوں سے بس وہ میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ناریل کا شت کیے گئے تھے۔ ناریل کے ان درختوں میں رک کر میں نے ادھر ادھر متلاشی نظروں دیکھا تو مجھے ایک بھی دی روح نہیں دکھائی دیا۔ ایک کھوکھلا سا احساس میرے وجود پر طاری ہو گیا۔ ناریل کے ان درختوں کے نیچے مجھے کوکا کی جھاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ پوست کے پودے دیکھ کر تو میں لرز ہی اٹھا۔ کسی محنت مند آدمی کو اگر کچھ عرصے تک کوکین کھلاتے رہے، پھر دیکھئے کہ وہ کیا بن جاتا ہے۔ یقیناً وہ ایک ایسی ہستی میں تبدیل ہو جائے گا کہ خون آشام بھی اس سے پناہ مانگنے لگیں گے۔ ایسے میں غیر مذہب یافتہ لوگ مذہب دنیا کے لیے غول بیابانی ثابت ہوتے ہیں تو اس میں جھلک تجب کی کیا بات ہے؟ دفعتاً میں چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

میرے کانوں سے کسی کے کانوں کی آواز ٹکرائی تھی۔ یہ انسانی آواز تھی جسے سنتے ہی میں ایک قریبی جھاڑی میں دمک گیا۔

کچھ دیر میں جھاڑی میں چھپا گھلنے کی آواز سننا رہا۔ پھر نہایت احتیاط سے شاخیں ہٹا کر دوسری طرف جہانکا تو مجھے آبشار سے آنے والے پانی سے لبریز ایک جوہر دکھائی دیا۔ یہ تالاب اس جھاڑی سے بیس گز کے فاصلے پر رہا ہو گا جس میں میں اس وقت چھپا بیٹھا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

ایک بید حسین عورت دکھائی دی۔

وہ سمجھی تو گنگناتے لگتی تھی اور کبھی اس کے ہونٹوں سے دل گداز نغمہ فضا میں منتشر ہونے لگتا تھا۔ وہ کمر تک اس تالاب کے شفاف پانی میں ڈوبی کھڑی تھی۔ اور ماحول سے بے نیاز اپنی ہستی کے حسن میں سرشار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے گھٹاؤں جیسے سیاہ لمبے بال کمر تک جمبول سے تھکے۔

میں نے کسی سے سنا تھا کہ ہلکا ہلکا کے لوگ بید حسین ہوتے ہیں اس وقت میں جس ہستی کو دیکھ رہا تھا وہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اتنی حسین اور پُرکشش عورت نہیں دیکھی تھی۔ وہ دوسروں کے دلوں میں آگ لگا دینے والے حسن و شباب کی مالک تھی اور میرے لیے جھاڑی میں چھپ کر بیٹھے رہنا محال ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ لیکن مجھے یہ بھی احساس تھا کہ آدم خور انسانوں کے اس علاقے میں ایک اجنبی کی حیثیت سے اگر میں وہاں کی کسی حسینہ سے بات چیت کرتا پایا گیا تو رات کے کھانے پر ان کے دسترخوان کی زینت بھی بن سکتا ہوں۔

میں سانس روکے اسے دیکھتا رہا۔

اس عورت کی موجودگی سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ قریب ہی ایک انسانی بستی موجود ہے۔ میں یہ ایک نکل کر اس کے سامنے پہنچا تو کوئی عجب نہیں تھا کہ وہ چیختی ہوئی اپنے گاؤں کی طرف بھاگ اٹھتی اور اس کے بعد میرا جو حشر ہو سکتا تھا اس کا معنی تصور ہی روح تک کو لرزادینے کے لئے کافی تھا۔

ہوں۔ بیکار کوئی ایسا حسین مجھ سے نظر آجائے تو انسان کا دل خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ جبکہ وہ تو پھر ایک جیتی جاگتی اور متحرک عورت تھی۔
تیسرے کھال میں وہ پہلے سے کہیں زیادہ غائب نظر دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اسے دیکھ کر میرے دل میں ایسے خیالات جنم لے گئے جن کے بارے میں مجھے احساس تھا کہ ان کی تعمیر سوانے مصیبت کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔ میں نے یہ خیال فوراً ہی دل سے جھٹک دیا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اس کے لیے دنیا کا ہر خطرہ مول لیا جاسکتا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں اپنے قاب و ذہن کو معقولیت کے راستے پر گامزن کرنے میں کامیاب ہوتا اور اپنے بے نگام خیالات کو قابو میں کرتا، ہم گاڑوں میں پہنچ گئے۔

یہ ایک دھندلی میڈیائی جگہ تھی جہاں بڑی ہی خوشنما جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان جھونپڑیوں کی تعمیر میں درختوں کی شاخوں کے علاوہ گھاس بھوس بھی بڑے سیتے سے استعمال کیا گیا تھا۔ جھونپڑیاں بے ترتیبی سے نہیں بنائی گئی تھیں۔ وہ قطار میں تعمیر کی گئی تھیں اور ان کے درمیان میں گلیاں تھیں جہاں گرد و غبار میں اٹے ہوئے بچے کھیل رہے تھے۔

جیسے ہی ان بچوں کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی، ان میں سے ایک بچہ بلند آواز میں چیخ پڑا۔

بچے کی آواز پر تمام بچے کھیل کو چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر انھوں نے ہمارے گرد جمع ہونا شروع کر دیا۔ بچے کی چیخ دور دور تک سنائی دی تھی جس کے نتیجے میں ہر جھونپڑے سے قبیلے کے جوان اور بوڑھے نکل نکل کر باہر نکلے۔ آنے لگے۔ ہر شخص مجھے گھور رہا تھا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ تیل کا احترام کرتے ہیں۔ ہمارے گرد ہونے والے ہجوم نے چند قدموں کا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے گویا ایک طرح سے حداب کو پار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”پہلے پہل تو میں یہ سمجھا کہ وہ لوگ میری وجہ سے الیسا کر رہے ہیں لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ان میں سے ایک بھی شخص میری طرف متوجہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب کے سب خاموش نظروں سے تیل کو گھور رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے چہرے پر ایک ہی تاثر تھا جو میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ میں نے ان کے چہرے پر ڈھنکے کی بہت کوشش کی لیکن نامکام رہا۔ کافی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ ان تاثرات میں نفرت اور حیرت کی آمیزش ہے۔“

میری ریڑھ کی ہڈی پر خوف کی ایک نتھی سی چھبکی نے اپنے نیچے کھاڑ دیئے اور آہستہ آہستہ رنگیتی ہوئی میری گدی تک پہنچ کر وہیں چپک گئی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میری جھپٹی جس بہت دیر سے کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی لیکن میں اس کی طرف توجہ نہیں دے سکا تھا۔ خوف کی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی اور میں دائیں بائیں دیکھ کر

اپنی رہنمائی زبان کے ٹوٹے پھوٹے جملوں سے اپنا مفہم ادا کرتے ہوئے ایک شریف آدمی ہوں۔ مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے پاس تم لوگوں کے لیے کچھ ہے۔

”جہاں اس نے کھڑا تھا۔
”ان میں سے ایک نے اجنبی اور نامانوس تھی۔
میں نے ان پر زور دیتے ہوئے وہ ڈچ زبان بولنے کی کوشش کی۔
”انہوں نے انہوں نے انہوں نے بولی جاتی ہے۔“

”ایک دوست کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا۔
”اس نے کہا کہ یہاں نہ رہنا؟ کیا تم لوگ قدیم ڈچ زبان بولتے ہو؟“

”ہاں... میں تمہاری زبان سمجھ رہی ہوں اور میں ڈچ زبان بول سکتا ہوں۔ اس نے جواب دیا۔“ کیا تم راستہ بھول گئے ہو؟“
”ماں سے خوشی کے میں اچھل پڑا۔“

”نہیں۔ میں راستہ نہیں بھولا ہوں۔ میں نے کہا۔ میں ایک سیاح ہوں اور دور دراز علاقوں میں تنہا ہی سفر کرتا ہوں۔ میں تیلیوں کا شکاری ہوں۔“

میرے پیشے کے بارے میں جان کر لوگ اکثر مسکرا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر جگہ ہے کہ سامنے والا مجھے ایک بے ضروری ہستی تصور کرتا ہے۔ ظاہر ہے، کسی تیلیوں کے شکاری سے کسی کو کیا خوف و حذر لاسکتا ہو سکتا ہے... لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس عورت کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ بھی غوروار نہیں ہوئی۔ مسکراہٹ تو درکنار اس کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ وہ سنگ مرمر کے کسی حسین عیسے جیسے خیالات سے ملدی چہرے کے ساتھ میری طرف دیکھ رہی تھی اور مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کی آواز میں مٹھاس اور نرمی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ بے پناہ پرکشش ہونے کے باوجود آواز کی نفی کر رہا تھا۔

اچانک ہی پلٹ کر وہ ایک طرف چل دی۔ چلتے چلتے اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور بولی۔
”میں تیل ہوں۔ میرے ساتھ ساتھ آؤ۔“

وہ بڑے ہی سہولت انداز میں چل رہی تھی۔ اس کی چال میں ملکوت کے علاوہ حسن بھی تھا۔ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہوں۔ وہ ایک ایسی پگڈنڈی پر چل رہی تھی جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔

میں اس کی چال سے مسحور اور لطف اندوز ہوتا ہوا چلتا رہا۔ ایک ایسے مقام پر جہاں دور دور تک کوئی انسانی چہرہ دیکھنے کے بغیر نہ گزرتی

فرار کا کوئی راستہ تلاش کرنے لگا۔

میں ان لوگوں میں اس حد تک گھرا ہوا تھا کہ فرار کا اب کوئی بھی راستہ ممکن نہیں رہا تھا۔

یہ ایک تیلانے جیج کر حکمانہ لہجے میں کچھ کہا۔

اس کا حکم سننے ہی کچھ نیزہ بردار نو جوان تیزی سے میری طرف بڑھے۔ میرا ہاتھ تیزی سے اپنے ریلو اور کدے سے پرہیز کیا۔ میں نے ریلو اور تکانے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن نہ جانے کیا ہوا اچانک ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرے کی چادر سی پھیل گئی اور میں گہری تلذیبی میں ڈوبتا ہلا گیا۔



میرے سر کی حالت ایک ایسے ڈھول جیسی تھی جسے پوری قوت سے بجایا جا رہا ہو۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو اس پاس کی ہر چیز مجھے اپنی نظروں کے سامنے تیزی سے گردش کرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ہر شے دھند میں لپٹی ہوئی لگ رہی تھی۔ میں نے بار بار پلکیں جھپکیں تو منظر ذرا صاف ہوا۔ اس کے باوجود مجھے عجیب سی مسکراہٹوں میں سے ہونے والے ہرے ہرے ہر طرف رقص کرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اچانک مجھے کھانسی آگئی۔ کھانسنے کے بعد میں نے پلکیں جھپکائیں تو ہر شے گویا اپنی اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔

کچھ دیر قبل میں نے خون ناک مسکراہٹوں سے سجے ہوئے جن دمہشت ناک چہروں کو رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ انسانی کھوپڑیاں تھیں جو چھت سے جھول رہی تھیں۔

میں خوف سے لرز کر رہ گیا۔

میرا دل شدت سے دھڑک اٹھا۔

میں نے ان کھوپڑیوں کو دیکھا تو ان میں سے بیشتر جاپانیوں کی کھوپڑیاں تھیں۔ یہ شاید اس زمانے کی کھوپڑیاں تھیں جب جاپانیوں نے جزیرہ ہالابا پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ بعض کھوپڑیاں ڈچ باشندوں کی بھی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے اس جھونپڑے میں رکھا گیا ہے جہاں اس قبیلے کے لوگ اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔

میرے حواس قدرے بحال ہوئے تو میں نے خود کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ میں آزاد تھا۔ انھوں نے مجھے باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں نے قدرے اطمینان کی سانس لی۔ اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا جو کھلا ہوا تھا۔

کھلے دروازے سے عورتیں اور مرد کھائی دے رہے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں گنڈا سے تھے اور وہ ان کی مدد سے ناریل کاٹ رہے تھے۔ بار بار گنڈا سے کی ٹھک ٹھک سنائی دے رہی تھی۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں کسی ایسے مقتل کے قریب لیٹا ہوا ہوں جہاں انسانی کھوپڑیاں توڑی جا رہی ہوں۔

میں ایک جھبر جھری سی لے کر رہ گیا۔ ایسا ہی کوئی گنڈا سے محض

ایک مزب سے میری گردن کاٹ کر کھوپڑی کو تن سے جدا کر سکتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ میری گردن درحقیقت کتنی نرم و نازک ہے۔ وہ اس تیز دھار اور چکدار گنڈا سے کی ایک مزب بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

میرا ذہن تیزی سے فرار کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ روز روشن میں ان جلادوں کو جیل دے کر یہاں سے نکل جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اب مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ میں نادانستگی میں آدم خور قبیلے میں آ پھنسا ہوں۔

میں نے گہری نگاہ سے باہر دیکھا تو سایوں سے اندازہ ہوا کہ شام ڈھل رہی ہے اور جلد ہی رات کا اندھیرا پھیلنے والا ہے۔ میں تاریکی سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے فرار کی کوشش کر سکتا تھا۔ میں نے بھاگنے کا منصوبہ بنانے پر غور کرتا چاہا تو میری ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ خوف میرے ذہن پر اس قدر غالب تھا کہ میں واضح طور پر کچھ بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

میری نگاہوں کے سامنے ایک بڑی سی گول جھونپڑی تھی۔ آتے وقت میں نے اسے دور سے دیکھا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ جھونپڑی گاؤں کے عین وسط میں بنی ہوئی ہے۔ وحشی قبیلے کے لوگوں کی وہاں آمد و رفت سے میں سمجھ گیا کہ اس گول جھونپڑی کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

میرا سراپ بھی بری طرح دکھ رہا تھا اور کھوپڑی چکرا رہی تھی۔ چوٹ غالباً سر کے عقبی حصے پر پڑی تھی۔ مجھے اپنی دکھتی ہوئی کھوپڑی میں، دماغ کا گودا دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور لیٹ گیا۔

میں زیادہ سے زیادہ آرام کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے رات کی تاریکی پسینے کا بھی انتظار کرنا تھا۔

مجھے جس جھونپڑی میں رکھا گیا تھا وہ زمین سے کافی اونچی تھی۔ میں اس کے کھلے دروازے سے پورے گاؤں کا نظارہ کر سکتا تھا۔ ابھی مجھے آنکھیں بند کر کے لیٹے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ میں نے ہڑ بڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

کئی ٹھوس مضبوط ہاتھوں نے مجھے اچانک ہی جکڑ کر اٹھا لیا تھا۔

وہ لوگ مجھے اٹھا کر لکڑی کی سیڑھی کے نیچے پہنچے اور پھر اس گول جھونپڑی میں لے گئے جو اس جھونپڑی کے مقابل تھی اور جسے میری دانست میں، گاؤں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

ایک درجن کے لگ بھگ آدم خوروں نے مجھے اٹھا رکھا تھا اور بڑی خاموشی سے چوبی زینہ چڑھ کر اوپر آئے تھے اور انھوں نے اچانک ہی مجھے اپنی گرفت میں لے کر لیا تھا۔ میں کئی نیند میں تھا۔ اس لیے

جذبات و تاثرات سے عادی تھا۔ سنگ مرمر جیسا حسین، پُرکشش... لیکن
مختوس چہرہ میری طرف متوجہ تھا۔ اس کی ساکت آنکھیں میری جانب نگاہ
تھیں۔

وہ میرے سامنے پہنچ کر رک گئی۔

کچھ دیر وہ میری آنکھوں میں دیکھتی رہی... پھر میں نے پہلی بار
اسے مسکراتے دیکھا۔ اس کے ہونٹ پھیل گئے اور ایک کشادہ مسکراہٹ
ان ہونٹوں پر ریزنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک
بھی پیدا ہو گئی۔ مجھے وہ پہلی بار مجھے کے بجائے ایک زندہ غور نظر آ رہی
تھی۔ میں نے اس کے پورے جسم میں ایک نئی زندگی کی لمبی دھڑکنی صاف
محسوس کی تھی۔



گول جھونپڑے کے ماحول میں بہت سے مردوں نے بیک وقت
سانس لی تو یوں محسوس ہوا جیسے قریب ہی کوئی بہت بڑا اثر دھا پھینکا ہو۔
اتنے بہت سے آدمیوں کی وجہ سے فضا کافی گرم ہو گئی تھی۔ لیکن میں سرد
پڑتا جا رہا تھا۔ اتنی ٹھنڈک تو کبھی مجھے کسی سرد خانے میں بھی محسوس
نہیں ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ میں اس گرم جھونپڑے میں محسوس کر رہا تھا۔
میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

میں ہنسنے کا اپنے لگا تھا۔

میرے جسم کے اندر کے تمام اعضا ٹھیک ٹھیک سلنے لگے تھے اور
میری جلد تن گئی تھی۔ اس سے پہلے مجھے جو بے پناہ پسینہ آرہا تھا وہ ٹھیک ٹھیک
ہی خشک ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری ہڈیوں میں برف کی ٹیلیں ٹھونکنے
لگی ہوں۔ اس سے پہلے میں کئی ایسے مقامات پر پھنس چکا تھا جہاں مجھے
احساس ہوا تھا کہ شاید میری موت واقع ہو جائے گی لیکن جو احساس
اس وقت ہو رہا تھا۔ البتہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے حقیقی
خوف کا مجھے کبھی ادراک نہیں ہوا تھا... اور جب تھلا مسکائی تھی تو
زندگی میں پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ درحقیقت خوف کسے کہتے ہیں۔

اس کے سرخ ہونٹوں کے درمیان سے جھانکنے والے چکدار سفید
دانت کسی کتے یا بھیڑیے کے دانتوں کی طرح لمبے اور فکیلے تھے۔ تیز
دانت... مجھے ان پر ہڈی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹخنوں کا
گمان ہونے لگا۔ وہ اتنے تیز تھے کہ اگر وہ اسٹیل کی سلاح میں دانت
گلا دیتی تو شاید وہ اس میں بھی پیوست ہو جاتے۔

وہ میری طرف دیکھ کر مسلسل مسکرا رہی تھی اور میں سمٹ کر
اس ٹکڑی کے کعبے میں سما جانے کی کوشش کر رہا تھا جس کے ساتھ
بٹھا کر میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے تھے۔ میں اس کی نظروں
سے بچنے کے لیے سمٹ کر رہا تھا جو اب مجھے اپنے جسم میں چبھتی محسوس
ہونے لگی تھیں۔

اس کے دائیں ہاتھ پر کسی ستیال سے لبریز ایک پیالہ رکھا
ہوا تھا۔ اس نے وہ پیالہ میرے لبوں کے قریب کر دیا۔ میں نے

ٹوک کر ان سے بچانے کے لیے کچھ کرنے سے قبل ہی پوری طرح نرنے میں
آ گیا تھا۔ جسامت اور طاقت کے اعتبار سے، میں ان سب سے فرداً
دو آن زیادہ تھا۔ لیکن مجموعی طور پر وہ آسانی سے مجھ پر حاوی ہو سکتے
تھے اور کسی درخت کے سکے ہوئے تنے کی طرح مجھے اٹھانے میں کامیاب
ہی ہو گئے تھے۔

مرکزی جھونپڑے میں لے جا کر انھوں نے مجھے جھونپڑے کے درمیانی
کھمبے کے قریب زمین پر پڑنے دیا اس سے پہلے کہ میں ان کے اداوں
سے آگاہ ہوتا۔ انھوں نے میرے ہاتھ پیچھے کر کے اس مضبوط کھمبے کے
گرد گھما کر باندھ دیے۔

اس جھونپڑے کی چھت سے انسانی کھوپڑیوں کے علاوہ بعض دندلوں
کی کھوپڑیاں اور کھالیں بھی لٹکی ہوئی تھیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر مجھے
اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ دندلوں کے پکاری ہیں۔ میں جانتا تھا کہ تہذیب و
تذکرے سے دور کچھ قبائل ایسے بھی ہیں جو آدم خود ہونے کے علاوہ دندلوں
کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ یہ بھی کوئی ایسا ہی قبیلہ معلوم ہوتا تھا... اور
اب یہ لوگ اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے
تھے۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ ہر طرف عجیب سے سناتے کا راج
ہے۔ کسی ٹکاؤں میں، جہاں بچے اور عورتیں بھی موجود ہوں۔ ایسی خاموشی
برپا ہے عجیب اور ناقابل فہم معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے مجھے
ناگزی پر حالات سے تحت جتنی بھی وحشا نہ مذہبی رسومات میں شرکت کرنے
کا موقع ملا تھا ان میں بے پناہ شور، چیخیں اور خلیق پھاڑ پھاڑ کر گانے
گنے لگوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی جبکہ یہاں ایسا نہیں تھا۔

میرا تجربہ اور میری معلومات یہاں فیل ہو گئی تھیں۔ اچانک میری
لنگاہوں میں کرو کر کا چہرہ گھوم گیا۔ وہی مرین جس سے میں نے اس جزیرے
سے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ
یہاں پر کتنی اذیت برداشت کر کے گیا تھا۔
میں آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اس سناتے میں مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ میرے
آس پاس بھاری بھاری سانسوں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف
مرد ہی میرے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ ان میں ایک بھی عورت نہیں تھی
خوف کی وجہ سے پیدا ہونے والے پسینے کی بو میرے ہاتھوں سے ٹکرا
رہی تھی۔ ماحول میں کشیدگی تھی اور میرا دل سینے میں یوں دھڑک رہا جیسے کوئی
میرے سینے میں پیٹھا ہوا تھوڑے چلا رہا ہو۔

اچانک میرے گرد پھیلے ہوئے حصار کا ایک حصہ پھٹ گیا۔ میرے
ہازوؤں پر ہاتھوں کی گرفت ختم ہو گئی۔ اب صرف رستی کی ہڈیوں کو چٹخا دینے
والی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ میں نے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے
آدمیوں کو گھیرا ختم کر کے ایک طرف بیٹھے ہوئے دیکھا تو مجھے تھلا نظر آئی۔
وہ دروازے سے اندر آ کر میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت

اس کی سیاہ آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور ان میں ناقابل فہم تاثرات کروٹیں لے رہے تھے۔

اچانک میں نے اس کے پورے جسم پر کپکپاہٹ پھیلنے دیکھی اس نے چھنکارتی ہوئی آوازیں کوئی حکم دیا تو اس کے ہونٹوں پر میرے خون کے بلبے بن کر ٹوٹنے لگے۔

مجھے فوری طور پر آزاد کر دیا گیا۔ اگلے ہی لمحے جھوپڑے میں موجود تمام آدم خور چلے گئے اور ہم دونوں تنہا رہ گئے۔

میرے رگ و ریشے گویا سیال بن کر بہہ گئے تھے۔ میں بے حد نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ بیٹھنا میرے لیے دو بھر ہو گیا۔ میں لہرایا اور ڈھیر ہو گیا میں جو اپنے ہاتھوں کی طاقت سے گھوڑے کی آہنی نعل کو سیدھا کر سکتا تھا۔ ایک سو پاؤنڈ وزنی بوری کو دیوار پر مار کر اس کے پیچھے پڑے بکھیر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت کھڑا ہونا تو درکنار میں اپنے طور پر بلٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ سب کچھ اس خون کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوا تھا جو تیلہ کے پینے کی وجہ سے ہوئی تھی اور نہ ہی میں اسے کوئین کے سیال کی وجہ سے سمجھتا تھا۔ یہ تو اس بھیانک خواب کا نتیجہ تھا جسے میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور وہ بھیانک خواب اب بھی ختم بھی نہیں ہوا تھا۔

تیلہ کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے مجھے اٹھتے دیکھا تو دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کر زمین پر پھینک دیا اور پھر کسی درندے کی طرح مجھ پر حملہ آور ہو گئی۔ اس کی گرفت آہنی تھی۔

میں طاقت اور توانائی سے محروم ایک بے جان سا کھلونا تھا۔ جسے وہ اپنی خنص دو انگلیوں کے زور پر لوڑ سکتی تھی۔ کچھ دیر قبل جو عورت میرا خون پی رہی تھی، اب اس کی ہستی پر ایک نئی دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔

وہ جھوپڑے سے چلی گئی لیکن میرے دل دو مانع پر چھائی ہوئی نفرت و خوف کا احساس نازل نہ ہو سکا۔ میں نے عورت کو ہمیشہ حسین روپ میں دیکھا تھا۔ اس سے ہمیشہ لطیف ترین جذبات وابستہ کیے تھے۔ لیکن یہ دل فریب ہستی مجھے نفرتوں کی دھند میں دھکیل کر میرے رویں رویش میں اذیت کا زہر بھر کر چلی گئی تھی۔

میں اسے جان سے لڑاؤ لٹا چکا ہوتا تھا۔ لیکن میری انگلیاں سن ہو کر رہ گئی تھیں۔ میں اسے بھوسے سے بھری ہوئی کسی بوری کی طرح زمین پر پھینک کر اپنی ایڑیوں سے کچل ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن میری ٹانگوں میں جیسے سیسہ بھر کر رکھا گیا تھا اور میں انہیں حرکت دینے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

اچانک میری نگاہ دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

دروازے پر ایک وحشی نیزہ بردار کھڑا تھا۔

منہ پھیر کر ہونٹ اس پیالے سے دور کر لیے تو اسی لمحے ایک تیز دھار نیزے کی انی میرے نخرے پر آکر جم گئی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ یا تو میں وہ سیال پی لوں یا پھر نیزہ میرے حلق سے پار ہو جائے گا۔

میں نے خوفزدہ ہو کر مہنگائی رنگ کے اس گلاڑھے رنگ کے پتال کی طرف دیکھا اور سوچا کہ اگر وہ کوئی زہر ہے تو اسے پی کر مجھے اذیت ناک لمحوں سے نجات مل سکتی ہے۔

میں نے ہچکچاتے ہوئے ایک گھونٹ لے لیا۔ میرا منہ اور حلق کڑوا ہٹ سے بھر گیا اور دل اچھل پڑا۔ مجھے اپنا سینہ بھاری سانسوں ہونے لگا۔ دوسرا گھونٹ لینے ہی مجھ پر غنودگی سی چھانے لگی۔

میں سمجھ گیا کہ یہ کوئین کا مشروب ہے۔ اس گلاڑھے سیال نے میرے اعصاب پر اچھا اثر کیا۔ میں نے اوپر تلے دو تین گھونٹ اور لے لیے اور دل ہی دل میں شکریہ ادا کرنے لگا کہ ان لمحوں میں تو یہ سیال میرے لیے روح افزا شربت ہے۔ میں نے تیلہ کی طرف دیکھا۔

وہ پیالہ ہاتھ میں لیے میری طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ اور وہ بارہ کسی ایسے درندے کی طرح اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی جو گوشت کھانے کے لیے تیار ہو رہا ہو۔

سیال میرے حلق سے اترتا تو مجھے اپنا پورا جسم شل ہوتا محسوس ہوا۔ اچانک تیلہ میری طرف مزید جھک آئی۔ میں نے اس کا منہ اپنے بازو پر محسوس کیا۔ اسی لمحے مجھے اپنے بازو پر ایک جگہ چھن کا احساس ہوا۔ اس کے نوکیلے اور تیز فانتوں نے گوشت پر ایک چرکہ لگایا۔ فوراً ہی وہاں سے سرخ سرخ خون ابل پڑا۔ وہ کسی ایسی جونک کی طرح زخمی بازو سے چٹ گئی جو میرے تازہ خون سے اپنی پیاس بجھانا چاہتی ہو۔

میں نے تھلا کر اپنے بازو کو اس کی گرفت سے نکالنا چاہا لیکن وہ ٹپس سے مس بھی نہ ہو سکا۔ وہ میری اس تکلیف سے بے نیاز خون پیتی رہی۔ کسی ایسے خون کشام چمکا دڑ کی طرح جس کا گزر بسر انسانی خون پر ہو۔

اب اس جھوپڑے کی فضا میں صرف دو آوازیں سنی جا سکتی تھیں۔ میری اذیت میں ڈوبی ہوئی چیخیں اور اس کے خون پینے کی شپ آوازیں۔ وہ مر جھکوں کی طرح بڑے بڑے گھونٹ لے رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک جھٹکے سے، میرے بازو سے منہ ہٹایا اور مجھ سے دور ہٹ گئی۔ اس کے ہونٹ میرے خون سے بھر پور ہوئے تھے اور اس کے منہ سے خون کی ایک پتلی سی لکیر بہ کر سٹھوڑی تک چلی آئی تھی وہ اب بھی مسکرا رہی تھی اور اس پر کسی زندہ مجسے کا گمان ہوتا تھا۔ میرے خون نے جیسے اس سنگ مرمر کی مورتی میں زندگی کی لہر دوڑا دی ہو۔

جہاں اس منحوس سکاڑوں میں داخل ہوتے وقت بے ہوش ہونے کے بعد، میں پہلی بار ہوش میں آیا تھا۔۔۔ سکاڑوں کے اس واحد جھونپڑے میں جو زمینی سے بلند تھا اور جہاں جرموں کی بے شمار کھوپڑیاں بھول رہی تھیں۔



آئندہ پورے ایک ماہ کے دوران، ہر دوسری یا تیسری شب مجھے اس بلند جھونپڑی سے گشتاں کشاں مرکزی جھونپڑی میں پہنچا دیا جاتا تھا جسے اس سکاڑوں میں عبادت گاہ کا درجہ حاصل تھا۔ میں خود کو چھوڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا، جو میری زد میں آتا، اس پر گھونٹے برساتا، زینے سے نیچے جاتے وقت سٹو کریں مارتا لیکن کبھی آزاد ہونے میں کامیاب نہ ہوتا۔ اور وہ لوگ مجھے لے جا کر مرکزی جھونپڑے کے درمیان نصب کچھ سے ٹیک لگا کر بٹھا دیتے اور پھر میرے ہاتھوں کو پشت پر لے جا کر اس کچھ سے باندھ دیا جاتا۔

اس دوران میں کئی بار میں نے فرار ہونے کی بھی کوشش کی لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکا۔ میری ہر کوشش دانگاں چلی جاتی۔ ذرا کی ہر کوشش کے بعد میری نگہانی کا کام مزید سخت کر دیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھ پر مایوسی غالب آنے لگی اور میں ذہنی طور پر یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گیا کہ یہاں سے فرار ناممکن ہے۔ تاہم اس عرصے میں مجھے کئی ایسی باتوں کا علم ہو گیا تھا، جن سے استفادہ کیا جاسکتا تھا۔

جس پریدار سے پہلی رات بات چیت ہوئی تھی، وہ آج بھی میرا حوالہ دیتا لیکن وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا تعلق اس وحشی قبیلے سے نہیں تھا۔ وہ ایک ڈبچہ تھا اور حالات اسے یہاں لے آئے تھے۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح تیل کی دست بڑوسے محفوظ رہ کر اس قبیلے کا ایک فرد بن گیا۔ دنیا میں نہ تھا لہذا یہاں سے کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے قبیلے ہی کی ایک لڑکی سے شادی کر لی تھی اور تین بچوں کا باپ تھا۔

اس شخص کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خود تو تیل کو دیہی نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن قبیلے کے تمام افراد اسے حقیقی دیہی ہی تصور کرتے ہیں۔ یہ میرے لیے ایک قیمتی بات تھی اور میں نے اس سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ اگر سکاڑوں کے ان توہم پرست وحشیوں کو کسی طرح یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جاؤں کہ وہ جس عورت کو دیوی سمجھ کر ڈرتے ہیں۔ وہ دیوی نہیں بلکہ عام انسانوں جیسے گوشت پرست والی ایک عورت ہے۔ تو شاید وہ لوگ اس کے خلاف ہو جائیں اور یوں میری جان اس درندہ صفت عورت سے چھوٹ جائے گی۔ لہذا میں نے موقع ملنے ہی سکاڑوں کے لوگوں کے سامنے اس سلسلے میں اظہار خیال شروع کر دیا۔۔۔ لیکن اس کا بھی کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا۔ وحشی میری باتیں سننے اور بولنے اور سننے کی بجائے لڑ پڑے ہو جاتے۔ وہ

میں نے محسوس کیا کہ اس پریدار سے دل میں میرے لیے ہمدردی کے جذبات ہیں۔
”تم... تم... لوگوں نے اس درندہ صفت عورت کو اپنے قبیلے میں رہنے کی اجازت کیوں دے رکھی ہے؟“ میں نے کراہ کر نقابہت بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

”اس لیے کہ یہ عورت اس دیوی کی ہم شکل ہے، جس کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ اس قسم کی زندہ دیوی کی سکاڑوں میں موجودگی ہمارے لیے بہت بڑے انداز کی بات ہے۔ دوسرے قبائل اس سلسلے میں ہم پر رشک کرتے ہیں۔“ پریدار نے جواب دیا۔

میں سمجھ گیا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ یہ کوئی آدم خور قبیلہ نہیں تھا بلکہ یہ وحشی لوگ تو ہم پرست اور بے دین تھے۔ دیوی دیوتاؤں کو ماننے والے ان وحشیوں کو اپنی دیوی کی ہم شکل ایک عورت یا تیسرا کئی تھی اور وہ سب کے سب اس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔ وہ اس کی نارا شکل مول نہیں لے سکتے تھے۔

”دوسرے قبائل اس عورت کی وجہ سے تم لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرات نہیں کرتے ہوں گے۔“ میں نے ایک اور خیال کے تحت چونک کر پوچھا۔

اس بار پریدار نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔
”کیا تم لوگ نہیں جانتے، یہ عورت پوری طرح شیطان کا سایہ ہے تم جن لوگوں کو اس کی بھینٹ چڑھاتے ہو، اس سے تمہاری دیوی یا دیوتا کو کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ انھیں اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پھر یہ عورت دیوی نہیں ہے۔ یہ ایک خون آشام درندہ صفت عورت ہے۔ شیطان کا پر تو ہے جسے خون پینے اور ظلم و ستم ڈھاکر اپنی زندگی کی تکیہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔ یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے اور اس کے لیے تم اپنے ہی جیسے انسانوں کو اس کے حملے کر دیتے ہو۔“

”میں ماننا ہوں کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔“ پریدار نے جواب دیا۔
اس کی نظریں خاموشی کی لپیٹ میں موٹے ہوئے سکاڑوں کی طرف ہٹک رہی تھیں۔ اس عورت کی موجودگی میں زندگی گزارنا بہت تکلیف دہ ہے لیکن اس کے خوف کی وجہ سے ہمارے دشمن قبائلی کبھی ہم پر حملہ آور ہونے کی جرات نہیں کر سکتے۔ برسوں سے ہماری زندگیاں محفوظ ہیں۔ یہ ہمارے لیے زندگی کی ضمانت ہے۔ قبائل اس سے خوف کھاتے ہیں۔ لہذا ہم اسے ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ محفوظ ہے تو ہم بھی محفوظ ہیں۔ یہ ہماری دیوی ہے اس لیے اسے زندہ اور خوش رہنا چاہیے۔“

میں نے اس کے بعد پریدار سے کئی سوال کئے لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ یوں بن گیا تھا جیسے اس کے لبوں پر خاموشی کی ہر لگ گئی ہو۔
کچھ دیر بعد چنسا آدمی آئے اور مجھے اٹھا کر وہیں ملیں گے۔

مجھے پاگل قرار دیتے اور میرا مذاق اڑاتے۔ وہ مجھے مسخرہ خنوار دیتے اور کبھی کبھی میری باتوں کو دیوبلی کی نوہن پر محمول کر کے مجھے اذیت دیے بغیر نہ رہتے۔۔۔ لیکن میں باز نہ آیا اور اس مسئلے میں مسلسل کوشاں رہا۔

”میرا جسم، میری جسمانی طاقت، میرا حوصلہ، میری ہمت، سب کچھ شکست کھا گیا تھا۔۔۔ لیکن میرے ذہن نے ابھی تک شکست تسلیم نہیں کی تھی۔

میں ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ اس عورت کو کیسے تباہ کروں، اسے کس طرح وحشیوں کے سامنے بے نقاب کروں؟ اس عفریت کا ان لوگوں کے ذہنوں پر اثر کیسے نا اعلیٰ کروں؟ جو دن بدن میری رنگوں سے خون چوس کر مجھے کھوکھلا کرتی جا رہی تھی یقیناً کوئی ایسا طریقہ ہو گا۔ کوئی تو ایسی صورت ضرور ہو گی۔ میں ذہن پر زور دیتا رہا۔ غور کرتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھے احساس ہو گیا کہ میرا آخری وقت زیادہ دور نہیں ہے۔ اس لیے جلد از جلد کوئی ترکیب سوچ لین چاہیے۔ خون پینے سے پہلے تیل مجھے زبردستی وہ نشا اور سیال پلاتی تھی۔ خون کی کمی سے پیدا ہونے والی کمزوری اس لٹھے کی وجہ سے دو چند ہو رہی تھی اور قبر سے میری ہمتی کا فاصلہ اب دن بدن کم ہونے لگا تھا۔

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کمزور پڑتی جا رہی تھی اور ذہن دھندلانے لگا تھا۔ میرے ذہن میں اب ہر وقت ہسپتال میں ملنے والے مریض کرو کر کا چہرہ گردش کرنے لگا۔۔۔ میں یہ سوچ کر ہر سے پاؤں تک کانپ مارتا تھا کہ جلد ہی میں بھی اس کی طرح پاگل ہونے والا ہوں۔ ایک ایسا پاگل جس کے شعور اور لاشعور میں خون آشام تیل کی دہشت انگیزی میں اتر جائے گی کہ وہ جزیرہ ہلماہارا کا نام سنتے ہی دیوانہ وار چیخنے لگ جائے گا۔

اس قدر شکستہ حال ہونے کے باوجود میرا ذہن اس حد تک ضرور کام کر رہا تھا کہ میں سمجھ سکتا تھا کہ ابھی پاگل نہیں ہوا ہوں ہر جاگتے لمحے میں میری زبان سے تیل کے خلاف زہر شگفتہ تار ہوتا تھا کوئی میری باتوں پر توجہ دیتا ہو یا نہ دیتا ہو، میں بڑ بڑاتا اور بلند آواز میں بولتا رہتا تھا کہ شاید پریداروں میں سے بعض میرے ہم خیال بن جائیں اور وہ اپنے قبیلے کو اس خون آشام عورت سے نجات دلانے پر آمادہ ہو جائیں۔

”سنو۔۔۔ میری بات غور سے سنو۔۔۔ اس بات کو نظر انداز مت کرو۔ تیل دیوبلی نہیں ہے۔ اگر وہ دیوبلی ہے تو اسے موت کبھی نہیں آسکتی۔ ٹھیک ہے نا؟ تو پھر تم اس کے سینے میں نیزہ اتار کر یہ بات کیوں نہیں آزما لیتے؟ دیوبلی تو بہت طاقتور ہوتی ہے۔ پھر اسے میرا خون پینے کے لیے تم لوگوں کی مدد کیوں درکار ہوتی ہے؟ غور کرو۔ یہ میرا خون کیوں پیتی ہے؟ دیوبلی اور دیوتا بھوک پیاس محسوس نہیں کرتے۔ پھر اسے انسانی خون کی چاہ کیوں ہوتی ہے؟ یقین کرو، یہ محض ایک عورت ہے جس

نے پورے گاؤں کو بیوقوف بنا رکھا ہے۔ یہ ہماری تمھاری طرح انسان ہے۔۔۔ انسان کے بھیس میں شیطان ہے اور شیطان کو مر جانا چاہیے۔ اس شیطان کو ختم کر دو۔ اس سے نجات حاصل کر لو۔

کوئی میری بات پر غور نہیں کرتا۔ کوئی میری بات کا جواب نہیں دیتا۔ اب تو میں اپنے واحد بھدر کو بھی کھو بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے بات چیت بند کر دی تھی اور میرے لاکھ چہنچہ چلانے پر وہ نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔

میں پریداروں اور لوگوں کو بتاتا کہ تیل کا جسم ایک عام عورت کا جسم ہے۔ اس میں فطری جذبات موجود ہیں۔ وہ عام لوگوں کی طرح بھوک اور پیاس بھی محسوس کرتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس خبیث عورت کے دانت لمبے اور نوکیلے ہیں۔ دندلوں جیسے ہیں محض اس کے غیر معمولی دانتوں کی وجہ سے، اس سے خوف مت کھاؤ۔ اسے مار ڈالو۔ ورنہ کسی روز آسمان سے تمھارے قبیلے پر بہت بڑا عذاب ٹوٹ پڑے گا اور تم سب کے سب تباہ ہو جاؤ گے۔

کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی لیکن میں مایوس نہ ہوا میں بولتا رہا۔ انھیں سمجھاتا رہا۔۔۔ حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ پریداروں کے ذہن میں تیل کے دیوبلی ہونے کے سلسلے میں شبہ کا بیج بھوٹ پڑا ہے۔

ایک روز جب وہ مجھے مرکزی جھونپڑے کی طرف لے جا رہے تھے تو میں نے محسوس کیا کہ آج پریداروں کی گرفت میں پہلے جیسی سختی نہیں ہے۔ ان کے انداز میں وہ جارحیت بھی نہیں تھی جسے وہ اب تک وہ مجھ سے روا رکھے ہوئے تھے

انھوں نے مجھے پہلے کی طرح جھونپڑے کے درمیان نصب کھمبے کے سامنے زمین پر بیٹھا بھی نہیں تھا۔۔۔ اور اب تو میری کلائیوں کی بندشیں بھی پہلے جیسی سخت نہیں تھیں۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ ذہن سے کسی گوشے سے ایک خیال شعور کی سطح پر آیا اور اس نے میرے بچے سمجھے حوصلوں پر پانی پھیر دیا۔

”یہ نرمی۔۔۔ یہ رعایت۔۔۔ دراصل اس لیے ہے کہ میں اب پہلے جیسا طاقتور نہیں رہا۔ میں پہلے کی طرح جدوجہد بھی تو نہیں کرتا اس لیے پریدار نرمی برتنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔“

”نکلن ہے یہ لوگ آئے دن کے اس کھیل سے ہزار ہو گئے ہوں“ ایک اور خیال میرے تمام حوصلوں کی دیوار ڈھا گیا۔ تاہم مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب وقت ختم ہو رہا ہے۔ آخری وقت تیزی سے قریب آ رہا ہے۔ گویا آج۔۔۔ صرف آج میرے پاس ایک موقع ہے۔۔۔ آخری موقع۔۔۔

میں نے اپنی دم توڑتی ہوتی ہمت میٹھی اور اس آخری موقع سے استفادہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ تیل ایسے میں شرابور وحشی قبیلے کے لوگوں کی قطاروں کے

اگرچہ نیزہ اس کے سینے میں اتر کر پشت کی طرف نکل گیا تھا۔ اس کے باوجود میری وحشت کو قرار نہ تھا۔ میرا بایاں ہاتھ آگے بڑھا اور میری انگلیوں کی گرفت اس کی گردن پر سخت ہو گئی۔ اس کا ترخہ میرے انگوٹھے کے پورے تالے دبا ہوا تھا۔ میں اسے شدت سے دباتا چلا گیا۔ یہ وہی نالی تھی جہاں سے گزر کر کئی بار میرا خون اس کے جسم میں اترتا تھا۔ وہ نیزے پر اٹھی اور میری انگلیوں کی گرفت میں دبی ٹرپتی اور پھلتی رہی۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا اور اس کے سرخ ہونٹ تیزی سے سفید پڑتے جا رہے تھے۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں اور وہ پتھر اسی گئی تھیں ان میں شدید حیرت اور دہشت کے علاوہ بے یقینی کے تاثرات گڈ گڈ ہو کر منبجہ ہو گئے تھے۔

وہ اب بھی غڑا رہی تھی۔ کسی مادہ خون آنتام بھڑپٹے کی طرح غڑا رہی تھی۔ اس کے لیے ناخنوں والی انگلیاں میری کلائی پر بار بار چھو رہی تھیں۔ لیکن ان کی طاقت تیزی سے نائل ہو رہی تھی۔ مجھے اس کے ٹرپنے اور مرنے کا یہ منظر اس قدر پسند آیا تھا کہ میری خواہش تھی کہ کاش وہ اسی طرح ٹرپتی پھوٹتی اور کرہتی رہے، خون اگلتی رہے۔

نہ جانے کتنی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ کیا ہو چکا ہے۔ میں نے آہستہ آہستہ اسے زمین پر اتار دیا۔ وہ مرجھ چکی تھی۔

اب تک کسی وحشی کے نیزے کی آنی میرے جسم کے قریب نہیں آئی تھی۔ میں نے باری باری سب کی طرف دیکھا۔ وہ آہنوسی ٹمبوں کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے اور اپنی دیوی کو گھور رہے تھے جو دیوی نہیں ایک خون آنتام عورت تھی اور جس نے برسوں دیوی کے روپ میں انھیں دھوکا دیا تھا۔

میں نے تیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ ساکت پڑی تھی لیکن اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں اب بھی مجھے اپنی طرف گھورتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے آہستہ سے نیزہ سر سے بلند کیا اور اسے پوری قوت سے اس کی آنکھوں کے درمیان مارا۔ تیز دھار نوکیلا نیزہ اس کی آنکھوں کے درمیان گہرا تر گیا۔ میں نے دوبارہ نیزہ بلند کر کے اس کے زرخے پر رکھا اور زور سے دیکھ دیا۔

اگرچہ وہ مرجھ چکی تھی لیکن اس کے جسم کو بار بار نیزے سے چھید کر مجھے یہ دلطف آ رہا تھا۔

سب سے آخر میں، میں نے نیزے سے اس کے دانتوں پر حملہ کیا اور انھیں توڑ ڈالا۔ ان دانتوں کو جنھیں وہ میرے جسم میں پیوست کر کے خون بہاتی تھی اور پھرنی لیتی تھی۔ میں نے اس کا جبرہ توڑ ڈالا۔

میں نے اسے پرچلتی ہوئی میری طرف بڑھنے لگی۔ اس کے کندھے پر ایک ہونٹ تھے۔ وہ ایک بے جان مورتی لگ رہی تھی جو کسی میکا کی طرح حرکت کر رہی تھی۔ وہ ایک ایسی لاش کی مانند محسوس ہو رہی تھی جیسا کہ تابوت سے اٹھ کر جل پڑی ہو۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور اس پر لگاتار تھتی۔ میں جانتا تھا کہ خون کی پیاس اسے اسی طرح ڈھال رہی ہے۔ جیسے ہی اس کی زبان پر میرے خون کا ذائقہ پہنچے گا، اس کی تارگی اور زندگی کی لہر دوڑ جائے گی۔ اس کے حسن اور چمک دکھ میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ پھر سے جوان حسین اور پرکشش ہو جائے گی۔

وہ پیالہ ہاتھ میں تھا میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔ میں نے اپنی پیٹھ جھونپڑے کے درمیان کھپے سے جانی اور پوری قوت سے دونوں ٹانگیں اچھال دیں۔ پاؤں کے ناخن اس کی ران پر گہری خراش ڈالنے میں کامیاب ہو گئے اور اگلے ہی لمحے خراش سے سرخ سرخ کاٹھا خون رسنے لگا۔

میں دیوانہ وار منہس پڑا۔
”تیلہ کا خون نکل آیا۔۔۔ تیلہ دیوی نہیں... ایک عورت ہے... عام عورت ہے“

تیلہ نے جھک کر خراش کا جائزہ لیا۔ پھر اس کے پیٹ کے مضامات تن سکے۔

”آج رات میں تمھاری رگوں میں دوڑنے والی آخری بوند ہنی جاؤں گی اور تم خون سے محروم کسی لاش کی طرح خالی ہو جاؤ گے“ وہ ہنس کر سرگوشی میں بولی۔ اس کی سرگوشی کسی ناگن کی پھنکار جیسی تھی۔ اس کے دانت برہنہ ہو گئے۔ ہونٹ سکڑ گئے اور دہانہ کشادہ ہو گیا۔ اس کے نتھنے غصے سے پھوٹ پھوٹا رہے تھے اور اس کی آنکھوں سے دیوانگی جھانک رہی تھی۔ اس کے حلق سے کسی مادہ بھڑپٹے جیسی طشہٹ نکلی اور وہ دانت نکوستی ہوئی مجھ پر چھوٹ پڑی۔ اسی لمحے جن وحشیوں نے مجھے مقام رکھا تھا، مجھے چھوڑ دیا۔

میں انھیں کرکھڑا ہو گیا۔
جھونپڑے میں موجود تمام وحشی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی دیوی کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے انھیں یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ جسے دیوی سمجھ رہے تھے، وہ کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے قریب کھڑے وحشی سے نیزہ جھپٹ لیا اور جیسے ہی تیلہ میرے پاس پہنچی میں نے پوری قوت سے نیزہ اس کے سینے میں گھونپ دیا۔

اس کے حلق سے ایک دلہن کی طرح نکل گئی جو موسیقی کی نغمہ بخش لہرین کر میری روح تک کو سرشار کر گئی۔

وہ اچھل پڑی اور میرے ناتواں، بے خون بازوؤں میں اس وقت نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آگئی کہ میں نے اسے نیزے میں پروں فضا میں بلند کر لیا۔

تیزی سے آکر میرے قریب رک گئی۔ میں جیب میں بیٹھ گیا۔

جیب مجھے سنا گا پورے لے گئی
میرے زخموں کی مرہم پٹی کر دی گئی اور پھر مجھے ڈاکٹر ٹوڈ
کے حوالے کر دیا گیا۔

میں نے اپنی جیب سے تیل کی بیسی نکال کر اس کی میز پر رکھ
دی۔ میں نے اس کے تیز اور نوکیلے دانتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا: "ان دانتوں کو غور سے دیکھو ڈاکٹر! تیل انہی کی وجہ سے مادہ
خون آٹام بیٹھ گیا یا کھلتی تھی۔"
ڈاکٹر نے دانتوں کو دیکھ کر ایک جھرجھری سی لی اور ایک طویل
سانس لے کر رہ گیا۔

اس نے وہ بیسی اٹھالی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ تم نے
تو یہ بیسی نکالنے میں کسی ماہر دندان ساز کو بھی مات کر دیا، وہ میری طرف
پلٹ کر مسکرائے۔

میں نے ٹوٹی پھوٹی بیسی پر نگاہ ڈالی تو خفت سے ہنس پڑا۔
"یہ سب کچھ میں نے پوش و حواس میں نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے وہاں
سے نکلنے کی جلدی بھی تھی۔ ورنہ شاید میں اس کی گردن کاٹ کر اس کا
پورا سری ساٹھ لے آتا۔ سچ پوچھو تو ڈاکٹر! مجھ پر اس وقت دیوانگی
طاری ہو گئی تھی۔"

"ایک بات مجھے حیران کر رہی ہے، ڈاکٹر نے سنجیدہ ہوتے
ہوئے کہا: "تمہارے جسم پر تیل کے دانتوں کے جو نشانات ہیں، ان کے
زخم اتنی تیزی سے کیسے بھر گئے؟ ان زخموں کے بھیک ہونے سے
قبل تمہیں انسانی دانتوں کے مخصوص زہر سے مر جانپا بیٹھے تھا کیونکہ انسان
سے مزید جراثیم بہر حال موجود ہوتے ہیں جو دانتوں کے ذریعے زخموں
میں منتقل ہو کر ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں۔"

میں کندھے، چکا کندہ گیا۔ میں بھلا اس بات کی کیا وضاحت کر
سکتا تھا۔ میں نے بے چارگی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ اس نے تیل کی
بیسی اپنی ہتھیلی پر رکھ لی اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے
لگا۔

"ہوں... تو یہ وجہ ہے، ڈاکٹر بڑا بڑا ایسا دراصل بھٹوس
غذا کو اس کے منہ میں پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی ہوگی۔ اگر وہ کوئی بھٹوس
غذا استعمال کرنے کی عادی ہوتی تو اس کے ذرات دانتوں میں یقیناً پھنستے
اور وہاں محل سڑ جاتے جن سے جراثیم پرورش پانے لگتے۔ اس کا مطلب
ہے کہ وہ زندگی بھر سٹیاں غذا پر ہی زندہ رہی تھی... انسانی خون
پر..."

اس کے دانت نکل کر گر گئے تو میں نے اس کی بیسی اٹھالی۔ چند
لمحوں تک میں ان بھیانک سفید دانتوں کو دیکھتا رہا۔ پھر انہیں جیب
میں ڈال دیا۔

میں نے اس پاس کھڑے وحشیوں کی طرف دیکھا
وہ اب میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے لیے احترام کی جھلک دیکھی تو میرا
دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ میرے روئیں روئیں میں خوشی لہریں لینے لگی تھی۔
اب مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ اس عورت کے سحر سے
آزاد ہو گئے تھے جس نے انہیں وحشی بنا رکھا تھا۔ ممکن ہے اس وقت
وہ مجھے قہر کا دیوتا سمجھ کر مجھ سے خوف کھانے لگے ہوں۔

نیزہ اب بھی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نیزہ سنبھالے آہستہ آہستہ
جھونپڑے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ سامنے کھڑے ہوئے
وحشی اطراف میں بیٹھنے لگے اور میرے لیے راستہ بن گیا۔ میں اس راستے پر
چلتا ہوا اپنے مقتل سے باہر آ گیا۔

رات کے ستارے میں تیل کی دلدور چٹخیں دور دور تک سنائی
دی تھیں۔ پورا گاؤں اس مرکزی خیمے کی طرف اٹھ آیا تھا۔ ان میں بچے، بوڑھے
جوان سبھی شامل تھے۔ عورتیں بھی تھیں... لیکن میں نے ان میں سے کسی
ایک کی آنکھوں میں بھی پائے لیے نفرت اور غصہ محسوس نہیں کیا۔ وہ سب کے
سب خاموش تھے، ساکت تھے اور ان کے ہاتھوں میں دبی ہوئی مشلوں
کی روشنی میں مجھے ان کی آنکھوں میں احترام نظر آ رہا تھا۔
میں لڑکھڑاتا ہوا اس راستے پر چل دیا جو مجھے اس محسوس گاؤں
سے باہر لے جاسکتا تھا۔

میرے برہنہ پاؤں ٹخنوں ٹخنوں تک دھول میں آٹ گئے تھے
یہ وہی راستہ تھا جس پر میں ایک حسین عورت کے ساتھ بڑی خوشی سے
آیا تھا اور پھر میں نے اپنی زندگی کے سب سے اذیت ناک لمحے اس گاؤں
میں گزارے تھے اور اب میں واپس جا رہا تھا۔ کسی فاتح کی حیثیت سے
جس نے ان لوگوں کی دیوی کو کیفر کر دیا تھا۔ پہنچا دیا تھا۔ مجھے یاد آ رہا
تھا کہ اس بلند جھونپڑے سے میں اس راستے کو کس قدر حسرت بھری
نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی
روز میں اپنے پیروں پر چل کر اس راستے سے، فضاؤں سے باہر بھی جا
سکوں گا۔

راستے کے دونوں طرف گاؤں کے لوگ موجود تھے۔
کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ وہ ساکت کھڑے
تھے اور جو راستے میں میرے سامنے آ جاتے تھے۔ وہ فرار ہی ہٹے کر
مجھے راستہ دے دیتے تھے۔

میں ڈیلا پہنچا تو وہاں میرے بارے میں خبر پہنچ چکی تھی۔ میں جیسے
ہی ساحل پر پہنچا۔ قریبی سڑک سے پولیس کی ایک بھری ہوئی جیب

